أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

یہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا' جو انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔(۲۱)

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

بیشک یہی لوگ آخرت میں زیاں کار ہوں گے۔(۲۲)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے' وہی جنت میں جانے والے ہیں' جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں۔(۲۳)

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے' بہرے اور دیکھنے' سننے والے جیسی ہے۔ (۱) کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟(۲۴)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں۔(۲۵)

أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو' (۲) مجھے تو تم پر

جس طرح کہ وہ جہنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے' ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (الملک-۱۰) "اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ جاتے"۔

(۱) پچھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بدبختوں' دونوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی مثال بیان فرما کر دونوں کی حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا' ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور دوسرے کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا روئے زیبا دیکھنے سے محروم اور آخرت میں نجات کے راستے سے بے بہرہ' اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بے بہرہ ہوتا ہے' اسی لیے ایسی باتوں سے محروم رہتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھ دار' حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے' دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام نفی کے لئے ہے۔ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (سورة الحشر-۲۰) "جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں" ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا "اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی' سایہ اور دھوپ برابر نہیں' زندے اور مردے برابر نہیں"۔ (سورة فاطر-۱۹'۲۰)

(۲) یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر نبی نے آکر اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا

اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾

دردناک دن کے عذاب کا خوف [1] ہے-(۲۶)

اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں [2] اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے پنچ [3] لوگوں کے [4] اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں)' ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے' بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں-(۲۷)

نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الأنبياء-۲۵) "جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے' ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس میری ہی عبادت کرو"-

(۱) یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکو گے-

(۲) یہ وہی شبہ ہے' جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع بڑا عجیب تھا' جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کرتے ہیں-

(۳) حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتداء میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے جنہیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا- حتیٰ کہ یہ چیز پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی- چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ "اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟" تو حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا "کمزور لوگ"- جس پر ہرقل نے کہا "رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں" (صحیح بخاری حدیث نمبر-۷) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش حال طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرتا رہا ہے-(سورۂ زخرف-۲۳) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی اور جس کے اعتبار سے اہل کفر انہیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے' ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروتر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں-

(۴) اہل ایمان چونکہ' اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے' اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے سوچ سمجھ والے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں جس طرف موڑ دیتا ہے' یہ مڑ جاتے ہیں جس چیز سے روک دیتا ہے' رک جاتے ہیں- یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے- لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی "عیب" ہے-

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾

نوح نے کہا' میری قوم والو! مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس کی کوئی رحمت عطا کی ہو' (۱) پھر وہ تمہاری نگاہوں میں (۲) نہ آئی تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے منڈھ دوں' حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔ (۳) (۲۸)

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

میری قوم والو! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔ (۴) میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں' (۵) انہیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔ (۶) (۲۹)

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾

میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کون کر سکتا

---

(۱) بَيِّنَةٍ سے مراد ایمان ویقین ہے اور رحمت سے مراد نبوت۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو سرفراز کیا تھا۔

(۲) یعنی تم اس کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے۔ چنانچہ تم نے نہ اس کی قدر پہچانی اور نہ اسے اپنانے پر آمادہ ہوئے' بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے۔

(۳) جب یہ بات ہے تو یہ ہدایت و رحمت تمہارے حصے میں کس طرح آسکتی ہے؟

(۴) تاکہ تمہارے دماغوں میں یہ شبہ نہ آجائے کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو دولت دنیا اکٹھا کرنا ہے۔ میں تو یہ کام صرف اللہ کے حکم پر اور اسی کی رضا کے لیے کر رہا ہوں' وہی مجھے اس کا اجر بھی دے گا۔

(۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے بھی معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو حضرت نوح علیہ السلام سے اپنی مجلس یا اپنے قرب سے دور رکھنے کا مطالبہ کیا ہو گا' جس طرح رؤسائے مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا مطالبہ کیا تھا' جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیات نازل فرمائیں تھیں ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (سورہ الأنعام۔۵۲) "اے پیغمبر! ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کرنا جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں"۔ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ ــــ (الکہف۔۲۸) اپنے نفسوں کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیے! جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں' اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں' آپ کی آنکھیں ان سے گزر کر کسی اور کی طرف تجاوز نہ کریں"۔

(۶) یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا اور پھر انہیں قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا' یہ تمہاری جہالت ہے۔ یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے نہ کہ دور دھتکارا جائے۔

ہے؟ (۱) کیا تم کچھ بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔(۳۰)

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' (سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا' نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں' نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں' (۲) ان کے دل میں جو ہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے' اگر میں ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔ (۳) (۳۱)

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲

(قوم کے لوگوں نے) کہا اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔ (۴) اب تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ' اگر تو سچوں میں ہے۔ (۵) (۳۲)

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳

جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو۔ (۶) (۳۳)

---

(۱) گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا' اللہ کے غضب اور ناراضی کا باعث ہے۔

(۲) بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا' تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمہارا ان کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں' البتہ تم ہی عنداللہ مجرم ٹھہرو گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو' جن کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے' تم حقیر اور فرومایہ سمجھتے ہو۔

(۳) کیونکہ میں ان کی بابت ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں' صرف اللہ جانتا ہے' تو یہ ظلم ہے۔

(۴) لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔

(۵) یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کہتی رہی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا کر ہمیں تباہ کروا دے۔ حالانکہ ان میں عقل ہوتی' تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول ہے' تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھول دے تاکہ ہم اسے اپنا لیں۔

(۶) یعنی عذاب کا آنا خالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے' یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں' تم پر عذاب آجائے۔ تاہم جب اللہ عذاب کا فیصلہ کر لے گا یا بھیج دے گا' تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۳۴

تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی' گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں' بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو' (۱) وہی تم سب کا پروردگار ہے (۲) اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۳۴)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۳۵

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔ (۳) (۳۵)

وَاُوْحِيَ اِلٰي نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۳۶

نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں' پس تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو۔ (۴) (۳۶)

---

(۱) اِغْوَآءٌ بمعنی اضلال (گمراہ کرنا) ہے۔ یعنی تمہارا کفر و حجود اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے' جہاں سے کسی انسان کا پلٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنا لینا' ناممکن ہے' تو اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر لگا دینا کہا جاتا ہے' جس کے بعد ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بھی اسی خطرناک موڑ تک پہنچ چکے ہو تو پھر میں تمہاری خیر خواہی بھی کرنی چاہوں یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں' تو یہ کوشش اور خیر خواہی تمہارے لیے مفید نہیں' کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔

(۲) ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے' جہاں وہ تمہیں تمہارے عملوں کی جزا دے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزا اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔

(۳) بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالمہ قوم نوح علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا گھڑا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے' اس کی سزا میں ہی بھگتوں گا۔ لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو' جس سے میں بری ہوں' اس کا بھی تمہیں پتہ ہے؟ اس کا وبال تو مجھ پر نہیں' تم پر ہی پڑے گا کیا اس کی بھی تمہیں کچھ فکر ہے؟

(۴) یہ اس وقت کہا گیا کہ جب قوم نوح علیہ السلام نے عذاب کا مطالبہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یارب! زمین پر ایک کافر بھی بسنے والا نہ رہنے دے۔ اللہ نے فرمایا' اب مزید کوئی ایمان نہیں لائے گا' تو ان پر غم مت کھا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر[1] اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔[2] (۳۷)

وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

وہ (نوح) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے،[3] وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو۔(۳۸)

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۹﴾

تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہیشگی کی سزا[4] اتر آئے۔(۳۹)

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابلنے لگا[5] ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے)

---

(۱) "یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے" اور "ہماری دیکھ بھال میں" اس آیت میں اللہ رب العزت کے لئے صفت "عین" کا اثبات ہے جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اور "ہماری وحی سے" کا مطلب، اس کے طول و عرض وغیرہ کی جو کیفیات ہم نے بتلائی ہیں، اس طرح اسے بنا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول و عرض، اس کی منزلوں اور کس قسم کی لکڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا، اس کی تفصیل بیان کی ہے، جو ظاہر بات ہے کہ کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

(۲) بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی اہلیہ کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی مہلت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آگیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے جلدی نہ کریں، وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے، (فتح القدیر)

(۳) مثلاً کہتے 'نوح! نبی بنتے بنتے اب بڑھئی بن گئے ہو؟ یا اے نوح! خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟

(۴) اس سے مراد جہنم کا دائمی عذاب ہے' جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

(۵) اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تنور، بعض نے مخصوص جگہیں مثلاً عین الوردہ اور بعض نے سطح زمین مراد لی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے یعنی ساری زمین ہی چشموں کی طرح ابل پڑی، اوپر سے آسمان کی بارش نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٤٠﴾

جوڑے (یعنی) دو (جانور' ایک نر اور ایک مادہ) سوار کرا لے [1] اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی' سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے [2] اور سب ایمان والوں کو بھی' [3] اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔ [4] (۴۰)

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْــرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤١﴾

نوح علیہ السلام نے کہا' اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے' [5] یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔ (۴۱)

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ

وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی

---

(۱) اس سے مراد مذکر اور مؤنث یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ نباتات بھی رکھے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۲) یعنی جن کا غرق ہونا تقدیر الٰہی میں ثبت ہے۔ اس سے مراد عام کفار ہیں' یا یہ استثناء أَهْلَكَ سے ہے یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرا لے' سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے یعنی ایک بیٹا (کنعان یا۔ یام) اور حضرت نوح علیہ السلام کی اہلیہ (وَاعِلَة) یہ دونوں کافر تھے' ان کو کشتی میں بیٹھنے والوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

(۳) یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرا لے۔

(۴) بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملا کر) ۸۰ اور بعض نے اس سے بھی کم بتلائی ہے۔ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے' جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے' سام' حام' یافث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی' یام کی تھی' جو کافر تھا' لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر)

(۵) یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلنا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف و خطر کشتی میں سوار ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے' اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ "اے نوح! جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کہو۔ ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٭ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴾ (المؤمنون - ۲۸'۲۹) "سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے' جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے"۔

بعض علما نے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْــرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾ ۔ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ مگر حدیث سے ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ٭ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ پڑھنا ثابت ہے۔

وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

تھی[1] اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے پر تھا، پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ۔[2] (۴۲)

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا،[3] نوح علیہ السلام نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔[4] (۴۳)

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ

فرما دیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا[5] اور اے آسمان بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا

---

(۱) یعنی جب زمین پر پانی تھا، حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ کی طرح رواں دواں تھی۔ ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا۔ ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴾ (الحاقۃ - ۱۱، ۱۲) جب پانی میں طغیانی آگئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنا دیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

﴿ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰي ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَاۗءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴾ (القمر - ۱۳، ۱۴) "اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کر لیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا"۔

(۲) یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام "یام" تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

(۳) اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کر لوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟

(۴) باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔

(۵) نگلنا، کا استعمال جانور کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل جانے سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بتدریج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا پانی دفعتاً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح جانور لقمہ نگل جاتا ہے۔

وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾

کر دیا گیا[۱] اور کشتی "جودی" نامی[۲] پہاڑ پر جا لگی اور فرمادیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔[۳] (۴۴)

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۴۵﴾

نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرے رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے، یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔[۴] (۴۵)

قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۴۶﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے،[۵] اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں[۶] تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو،[۷]

---

(۱) یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔

(۲) جودی، پہاڑ کا نام ہے جو بقول بعض موصل کے قریب ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔

(۳) بُعْدًا، یہ ہلاکت اور لعنت الٰہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غضب الٰہی کی مستحق بننے والی قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے غالباً شفقت پدری کے جذبے سے مغلوب ہو کر بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی اور بعض کہتے ہیں کہ انہیں یہ خیال تھا کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ استدعا کی۔

(۵) حضرت نوح علیہ السلام نے قرابت نسبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بیٹا قرار دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر قرابت دین کے اعتبار سے اس بات کی نفی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے ہے۔ اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو وہی ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بیوی، وہ نبی کے گھرانے کا فرد نہیں۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہو گا، اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے نسبی قرابت بھی کام نہیں آتی، تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

(۷) اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمادیتا ہے۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوتا کہ ان کی درخواست قبول نہیں ہوگی تو یقیناً وہ اس سے پرہیز فرماتے۔

میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔[1] (٤٦)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٤٧﴾

نوح نے کہا میرے پالنہار میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا' تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔[2] (٤٧)

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿٤٨﴾

فرما دیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر'[3] جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر[4] اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔[5] (٤٨)

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿٤٩﴾

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم'[6] اس لیے آپ صبر

---

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو نصیحت ہے' جس کا مقصد ان کو اس مقام بلند پر فائز کرنا ہے جو علمائے عاملین کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔

(۲) جب حضرت نوح علیہ السلام یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا' تو فوراً اس سے رجوع فرمالیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفرت کے طالب ہوئے۔

(۳) یہ اترنا کشتی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جا کر ٹھہر گئی تھی۔

(۴) اس سے مراد یا تو وہ گروہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے' یا آئندہ ہونے والے وہ گروہ ہیں جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے۔ اگلے فقرے کے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یہ وہ گروہ ہیں جو کشتی میں بچ جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا سازوسامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب الیم سے دوچار ہوں گے۔

(٦) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ سے علم غیب کی نفی کی جا رہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم آپ کو خبردار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لاعلم تھی۔